ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2622

Program: M.A. Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت)

کورس: تاریخ افکار وعلوم اسلامی (2622)

سطح: ایم اے علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 6 تا 9)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں تاریخی و علمی معلومات عمومی مستند مآخذ کی روشنی میں اپنے الفاظ میں پیش کی گئی ہیں؛ جہاں اہلِ علم کی آراء میں اختلاف ہے وہاں اختلاف کا علمی ذکر کر دیا گیا ہے۔ کسی دینی حکم کا کسی مخصوص فرد یا واقعے پر اطلاق اہلِ علم اور باقاعدہ دائرہ اختیار کا کام ہے؛ یہ گائیڈ صرف تعلیمی و مطالعاتی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

طریقۂ استعمال: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات، جامع متن اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں وضاحت کے لیے مناسب ہو وہاں جدول اور شکل بھی دی گئی ہے۔ تاریخیں اور نام عمومی معلوماتی حوالے کے طور پر درج ہیں؛ تحریر کرتے وقت اپنے الفاظ استعمال کریں اور نصابی کتاب سے تصدیق ضرور کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 6 تا 9) کورس کے دوسرے حصے پر مشتمل ہے جس میں تاریخ و طبقات نگاری، علمِ ہیئت و فلکیات، علمِ حدیث اور اسلامی فلسفہ شامل ہیں۔ اس مشق میں بھی پانچ سوالات ہیں، ہر سوال 20 نمبر کا ہے؛ کل نمبر 100 اور کامیابی کے نمبر 50 ہیں۔ یہ چاروں موضوعات مل کر بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے خبر کی حفاظت، آسمان کے حساب، ماضی کی ترتیب اور وجود کے سوالات جیسے مختلف میدانوں میں کس طرح منظم علوم بنائے۔ اس گائیڈ میں ہر جواب مفصل و منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے؛ طالب علم ان سے سمجھ کر اپنے الفاظ میں تحریر کرے تو یہی اس گائیڈ کا اصل مقصد پورا ہو گا۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: علم تاریخ سے کیا مراد ہے؟ نیز، علم تاریخ کی ابتدا اور اسلام میں تاریخ نگاری کی روایت پر ایک مفصل نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

انسان اپنے ماضی کو جاننے کی فطری خواہش رکھتا ہے، کیونکہ ماضی ہی حال کی بنیاد اور مستقبل کی رہنمائی ہے۔ گزشتہ اقوام کے عروج و زوال، انبیاء و مصلحین کی جدوجہد اور تہذیبوں کے تجربات کا منظم مطالعہ جس علم میں ہوتا ہے اسے تاریخ کہتے ہیں۔ اسلام میں تاریخ محض تفریحِ طبع کا قصہ نہیں بلکہ قرآن کی بار بار دی گئی دعوت کا جواب ہے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اسی قرآنی ترغیب نے مسلمانوں میں دنیا کی قدیم ترین اور وسیع ترین تاریخ نگاری کی روایت پیدا کی جس میں سیرت، مغازی، طبقات، شہروں و خاندانوں کی تواریخ اور بالآخر ابن خلدون کی فلسفۂ تاریخ تک کا سفر شامل ہے۔ اس جواب میں علمِ تاریخ کی تعریف و مراد، اس کی عمومی ابتدا اور اسلام میں تاریخ نگاری کی روایت کا مفصل جائزہ پیش کیا جائے گا۔

علمِ تاریخ سے مراد

"تاریخ" کے لفظی معنی وقت و تاریخ کا تعین کرنا ہیں؛ عربی میں کسی واقعے کے وقت کو ضبط کرنے کو بھی تاریخ کہا جاتا ہے اور اسی سے ہجری تقویم کا نظام وابستہ ہے جس کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رکھی گئی۔ اصطلاح میں تاریخ اس علم کو کہتے ہیں جس میں گزشتہ زمانے کے اہم واقعات، شخصیات، اقوام اور تہذیبوں کے حالات کو تحقیق و ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ ان سے عبرت و رہنمائی حاصل ہو۔ مشہور مؤرخین و اہلِ علم نے اس کی تعریف میں خبر کی سچائی کی جانچ کو بنیادی شرط قرار دیا ہے؛ ابن خلدون نے تاریخ کو بظاہر واقعات کی خبر اور بباطن غور و تحقیق اور وجود کی علتوں کی علامت قرار دیا۔ جدید تعریف کے مطابق تاریخ صرف بادشاہوں کی فتوحات کا ریکارڈ نہیں بلکہ پورے معاشرے — اس کی معیشت، علم، اخلاق، اداروں اور عام انسانوں — کے ماضی کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس علم کے بنیادی اوزار مآخذ کی تحقیق، واقعات کی زمانی ترتیب، اسباب و نتائج کا تجزیہ اور غیر جانبداری ہیں۔ تاریخ اور قصے میں فرق بھی یہی ہے کہ قصہ کہنے والے کی پسند پر چلتا ہے، جبکہ تاریخ دلیل و ماخذ کی پابند ہوتی ہے۔

علمِ تاریخ کی ابتدا: عمومی پس منظر

دنیا میں تاریخ کی ابتدا انسانی حافظے و روایت سے ہوئی۔ قدیم مصر و بابل میں فرعونوں و بادشاہوں کے کتبے، یہودی روایت میں تورات کی تاریخی کتابیں اور یونان میں ہیروڈوٹس (جسے "تاریخ کا باپ" کہا جاتا ہے) اور تھیوسیڈائیڈیز کے کام ابتدائی تاریخ نویسی کی مثالیں ہیں۔ عربوں کے ہاں اسلام سے پہلے ایام العرب کی جنگی روایات، انساب کا علم اور قصہ گوئی رائج تھی، اگرچہ یہ تحریری و تحقیقی تاریخ نہیں تھی۔ ان روایات کی اہمیت یہ ہے کہ بعد کی اسلامی تاریخ نگاری نے یونانی تحریری روایت اور عربی روایتی حافظے دونوں سے فائدہ اٹھایا، مگر اس میں سند کی تحقیق کا وہ نظام شامل کیا جو اس سے پہلے اس پیمانے پر موجود نہیں تھا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ نگاری کو محض پیش رو روایات کی نقل سمجھنا درست نہیں؛ اس نے خبر کی تصدیق کے لیے راویوں کی جانچ کا مستقل فن بنا دیا۔

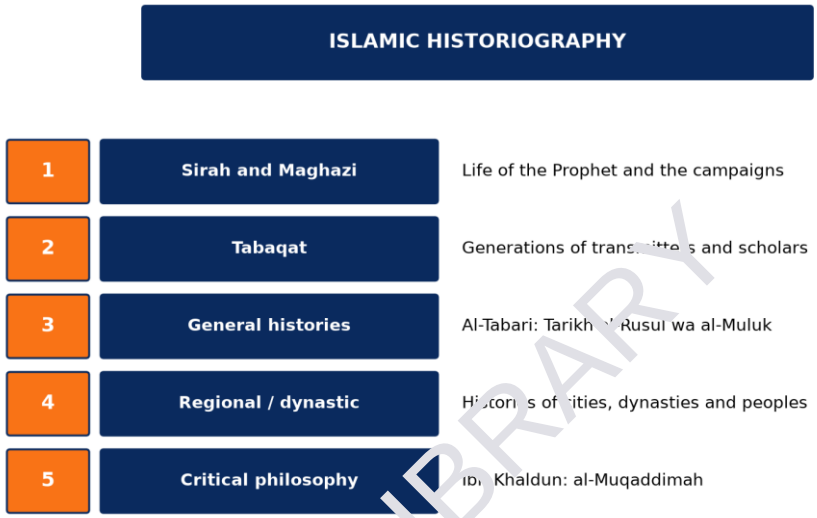

Figure 1: Growth of historical writing in Islamic civilisation

شکل 1: اسلامی تاریخ نگاری کی نشوونما — سیرت و مغازی سے ابن خلدون تک

اسلام میں تاریخ نگاری کی روایت

بنیادیں: قرآن، سیرت اور مغازی

اسلامی تاریخ نگاری کی پہلی بنیاد قرآن مجید ہے جس نے گزشتہ امتوں کے واقعات کو عبرت کے لیے بیان کیا اور سیرتِ انبیاء کو تاریخ انسانیت کا محور بنایا۔ دوسری بنیاد نبی کریم ﷺ کی سیرت و مغازی تھی۔ صحابہ و تابعین نے آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو حدیث کی طرح روایت کرنا شروع کیا، کیونکہ سیرت شریعت کی عملی صورت تھی۔ عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور وہب بن منبہ اس ابتدائی دور کے نمایاں نام ہیں۔ پھر ابن اسحاق (متوفی 151ھ) نے سیرت کو باقاعدہ کتابی صورت دی جسے ابن ہشام نے "السیرۃ النبویہ" کے نام سے مرتب کیا، اور واقدی نے "المغازی" میں غزوات کی تفصیل جمع کی۔ اس مرحلے کی خصوصیت یہ تھی کہ تاریخ اور حدیث ایک ہی روایت کا حصہ تھے اور سند کی پابندی دونوں میں یکساں تھی۔

طبقات، انساب اور شہروں کی تواریخ

دوسرے مرحلے میں تاریخ کی شاخیں الگ ہونے لگیں۔ ابن سعد کی ”الطبقات الکبریٰ“ نے شخصیات کو نسلوں و طبقات میں تقسیم کر کے سوانحی تاریخ کی بنیاد رکھی، جس پر اگلے سوال میں تفصیل سے بحث ہو گی۔ خلیفہ بن خیاط کی تاریخ کو سنین وار ترتیب کی اولین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں شہروں کی تواریخ لکھی گئیں، مثلاً خطیب بغدادی کی ”تاریخ بغداد“ اور ابن عساکر کی ”تاریخ دمشق“ جن میں شہر کے ساتھ ہزاروں علماء و شخصیات کے حالات بھی محفوظ ہو گئے۔ اسی دور میں خاندانوں و سلطنتوں کی تواریخ اور ”آئینۂ ملوک“ قسم کی کتب بھی عام ہوئیں۔ انساب کی کتابیں مثلاً بلاذری کی ”انساب الاشراف“، تاریخ و نسب کے امتزاج کی اہم مثال ہیں اور بلاذری ہی کی ”فتوح البلدان“ فتوحات و انتظامی تاریخ کا بنیادی ماخذ ہے۔

جامع تواریخ کا عروج: طبری سے ابن کثیر تک

چوتھی صدی ہجری میں تاریخ نگاری اپنے عروج پر پہنچی جب ابن جریر طبری نے ”تاریخ الرسل والملوک“ میں تخلیقِ عالم سے لے کر اپنے دور تک کی تاریخ سنین وار ترتیب میں جمع کر دی۔ طبری کا اسلوب یہ تھا کہ وہ مختلف روایات کو اسانید کے ساتھ نقل کر دیتا اور انتخاب قاری پر چھوڑتا؛ اس سے ماخذ کی حفاظت تو ہوئی مگر تنقیدی ترجیح کا کام قاری کو خود کرنا پڑتا ہے۔ مسعودی کی ”مروج الذہب“ نے تاریخ میں جغرافیہ، سفر اور تہذیبی مشاہدے کو شامل کیا اور اسے ”مؤرخین کا امام“ ہونے کے ساتھ جغرافیہ دان بھی سمجھا جاتا ہے۔ بعد میں ابن الاثیر کی ”الکامل“، ابن خلکان کی ”وفیات الاعیان“، ذہبی کی ”تاریخ الاسلام“ و ”سیر اعلام النبلاء“ اور ابن کثیر کی ”البدایہ والنہایہ“ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ابن کثیر کے ہاں روایات کی تنقیدی چھان بین کی کوشش نسبتاً زیادہ دکھائی دیتی ہے، کیونکہ وہ مؤرخ ہونے کے ساتھ محدث بھی تھے۔

ابن خلدون اور فلسفۂ تاریخ

اس روایت کا فکری عروج ابن خلدون (متوفی 808ھ) کی ”مقدمہ“ سے ہوتا ہے جسے فلسفۂ تاریخ و عمرانیات کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ ابن خلدون نے کہا کہ مؤرخ کا کام صرف خبر نقل کرنا نہیں بلکہ خبر کو معاشرے کے قوانین پر پرکھنا ہے، کیونکہ بہت سی خبریں مبالغے، تعصب یا ناممکن ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔ اس نے عصبیت،

ریاست کے عروج وزوال کے مراحل اور تہذیب کے قوانین پر وہ بحث کی جو جدید سماجیات سے صدیوں پہلے کی ہے۔ اسلامی تاریخ نگاری کی مجموعی خدمات میں یہ بھی شامل ہے کہ اس نے غیر مسلم اقوام، جغرافیہ وفلکیات اور علوم کی تاریخ کو بھی محفوظ کیا؛ اردو وفارسی میں یہ روایت دہلی ومغلیہ دور میں مزید پھیلی اور برصغیر میں سرسید کے دور سے جدید تحقیقی تاریخ کی شکل اختیار کی۔

جدول 1: اسلامی تاریخ نگاری کے نمایاں مراحل اور نمائندہ کتب

خصوصیت	نمایاں کتاب / مؤرخ	مرحلہ
سند کے ساتھ سیرتی روایت	ابن ہشام: السیرۃ النبویہ؛ واقدی: المغازی	سیرت ومغازی
سوانح ونسب کی تنظیم	ابن سعد: الطبقات الکبریٰ؛ بلاذری: انساب الاشراف	طبقات وانساب
شہر واہلِ شہر کی جامع تاریخ	خطیب بغدادی: تاریخ بغداد	شہری تواریخ
سنین وار جامع تاریخ	طبری: تاریخ الرسل والملوک	جامع عالمگیر
خبر کی تنقید اور عمرانی قوانین	ابن خلدون: المقدمہ	فلسفۂ تاریخ

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ علمِ تاریخ ماضی کے واقعات وشخصیات کا تحقیقی مطالعہ ہے اور اسلام میں اسے قرآن کی ہدایت، سیرت کی حفاظت اور حدیث کے سند نظام نے وہ مضبوط بنیاد دی جس پر سیرت ومغازی سے لے کر طبری کی جامع تاریخ اور ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ تک کی عظیم روایت کھڑی ہوئی۔ اس روایت کی سب سے بڑی پہچان ماخذ کی حفاظت اور

خبر کی جانچ ہے۔ آج کا طالبِ تاریخ اسی روایت کا وارث ہے؛ اس پر لازم ہے کہ وہ سوشل میڈیا کی بے سند خبروں کے دور میں بھی وہی پرانا اصول یاد رکھے کہ خبر اس وقت تک تاریخ نہیں بنتی جب تک اس کا ماخذ اور اس کی سچائی پرکھی نہ جائے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال: طبقات نگاری سے کیا مراد ہے؟ تاریخ اور طبقات نگاری کے باہمی تعلق کو واضح کریں اور طبقات نگاری کے مختلف مناہج (طریقہ کار) پر ایک مفصل نوٹ تحریر کریں۔

(20)

تعارف

اسلامی علمی تاریخ کی ایک انوکھی اور اہم صنف طبقات نگاری ہے، یعنی شخصیات کو ان کے عہد، نسل، مرتبے یا فن کی بنیاد پر طبقات میں تقسیم کر کے ان کے حالات و خدمات لکھنا۔ یہ صنف محض سوانح کا مجموعہ نہیں بلکہ حدیث کی روایت کی حفاظت، علم کی نسل در نسل منتقلی کی تاریخ اور ہر دور کے علمی نقشے کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ جب کوئی طالب علم یہ جاننا چاہتا ہے کہ کسی راوی، فقیہ یا مفسر کا تعلق کس نسل سے تھا، اس کے اساتذہ و شاگرد کون تھے اور اس کا علمی مقام کیا تھا تو وہ طبقات ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس جواب میں طبقات نگاری کا مفہوم، تاریخ سے اس کا باہمی تعلق اور اس کے مختلف مناہج (طریقہ کار) کا مفصل جائزہ لیا جائے گا۔

طبقات نگاری سے مراد

"طبقہ" کے لغوی معنی ایک جیسی حالت و مرتبے والے لوگوں کے گروہ کے ہیں۔ اصطلاح میں طبقات نگاری اس فن کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص میدان کی شخصیات کو زمانے، مرتبے یا خصوصیت کی بنیاد پر طبقات میں تقسیم کر کے ہر طبقے کی شخصیات کے نام، نسب، اساتذہ و شاگرد، علمی خدمات اور وفات وغیرہ کے حالات درج کیے جائیں۔ اس صنف کی پہلی باقاعدہ و عظیم مثال ابن سعد (متوفیٰ 230ھ) کی "الطبقات الکبریٰ" ہے جس میں سیرتِ نبوی کے بعد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو طبقات میں بیان کیا گیا۔ بعد میں یہ

فن حدیث سے نکل کر فقہاء، قراء، نحویوں، شعرا، اطبا، صوفیا اور حکماء تک پھیل گیا؛ مثال کے طور پر ابن ابی اصیبعہ کی "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" طبیبوں کی، سبکی کی "طبقات الشافعیہ" شافعی فقہاء کی اور ابن رجب کی طبقات حنابلہ کی تاریخ بیان کرتی ہیں۔ طبقات کی کتابوں کو "تراجم" و "رجال" کی کتابوں سے قریب سمجھا جاتا ہے، فرق یہ ہے کہ طبقات میں تنظیم کی بنیاد طبقاتی تقسیم ہوتی ہے جبکہ معاجم یا وفیات میں اکثر حروفِ تہجی یا سالِ وفات کی ترتیب اختیار کی جاتی ہے۔

تاریخ اور طبقات نگاری کا باہمی تعلق

تاریخ اور طبقات نگاری کا تعلق جزو کل اور ماخذ و عمارت کا ہے۔ تاریخ واقعات کی کہانی ہے اور طبقات ان واقعات کو بنانے والے انسانوں کی فائل؛ مؤرخ جب کسی دور کا حال لکھتا ہے تو کرداروں کی شناخت، ان کے عہد اور ان کے باہمی تعلقات کے لیے طبقات ہی سے مدد لیتا ہے۔ اس کے برعکس طبقات نگار کو بھی ہر شخصیت کے حالات کو اس کے دور کے سیاسی و علمی پس منظر میں رکھنا پڑتا ہے، اس لیے وہ بھی مؤرخ ہوتا ہے۔ حدیث کے میدان میں ان کا تعلق اور بھی گہرا ہے: کسی روایت کی صحت کا فیصلہ راویوں کے طبقات جانے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے اپنے شیخ سے ملاقات کی ہو سکتی تھی یا نہیں، روایت متصل ہے یا منقطع۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال اور طبقات کو علوم حدیث کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ سوانحی تاریخ کی اس روایت نے اسلامی تہذیب کو ایک اور فائدہ دیا کہ یہاں تاریخ صرف بادشاہوں کی نہیں رہی بلکہ علماء، تاجروں، فنکاروں اور عام نیک انسانوں کی زندگیاں بھی محفوظ ہو گئیں؛ ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" ہزاروں شخصیات کا ایسا ہی خزانہ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ طبقات نگاری میں مدح و ذم کے بیان میں مؤلف کے اپنے رجحان کا اثر آ سکتا ہے، اس لیے محقق ایک ہی شخصیت کو کئی طبقات و تراجم کی کتابوں میں ملا کر دیکھتا ہے۔

طبقات نگاری کے مختلف مناہج

1۔ زمانی و نسلی منہج

سب سے بنیادی منہج زمانی تقسیم ہے جس میں شخصیات کو نسل بہ نسل رکھا جاتا ہے: صحابہ کا طبقہ، کبارِ تابعین کا طبقہ، اوساط و صغارِ تابعین، پھر تبع تابعین اور اس کے بعد کے طبقات۔ ابن سعد اور خلیفہ بن خیاط نے یہی طرز اختیار کیا۔ اس منہج کا فائدہ یہ ہے کہ علم و روایت کی منتقلی کی زنجیر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور ہر شخصیت اپنے ہم عصروں

کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ محدثین کے ہاں تو طبقات کی یہ تقسیم روایت کی جانچ کا باقاعدہ اصول بن گئی؛ حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب" میں راویوں کو بارہ طبقات میں رکھ کر ہر راوی کے درجے کو مختصر علامات میں بیان کر دیا، جو آج تک حدیث کی تحقیق کا روزمرہ اوزار ہے۔

2۔ جغرافیائی و شہری منہج

دوسرا منہج جغرافیائی ہے جس میں شخصیات کو علاقے یا شہر کے اعتبار سے جمع کیا جاتا ہے۔ حدیث کی روایت کے مراکز مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر و خراسان تھے، اور ہر مرکز کے راویوں و علماء کی الگ خصوصیات تھیں۔ خطیب بغدادی کی "تاریخ بغداد" اور اہل بغداد سے نسبت رکھنے والی شخصیات کے طبقات و تراجم ہی ہیں، اسی طرح ابن عساکر کی تاریخِ دمشق دمشقی شخصیات کا خزانہ ہے۔ اس منہج سے کسی شہر کی علمی تاریخ، وہاں کے مکاتبِ فکر کی تشکیل اور علم کے ایک مرکز سے دوسرے مرکز میں انتقال کا نقشہ بنتا ہے۔ جدید محققین اسی مواد سے علمی نیٹ ورک کی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔

3۔ فنی و مکتبی منہج

تیسرا منہج فنی یا مکتبی ہے جس میں ایک ہی فن یا فقہی / فکری مکتب کی شخصیات جمع کی جاتی ہیں۔ فقہاء کے طبقات اس کی سب سے بڑی مثال ہیں: طبقات الشافعیہ، طبقات الحنفیہ، طبقات الحنابلہ اور مالکیہ کے طبقات میں ہر مکتب کے ائمہ و فقہاء کی نسلیں بیان ہوتی ہیں، جن سے مکتب کے اصولوں کی تاریخ اور داخلی اختلافات سمجھ میں آتے ہیں۔ اسی طرح قراء کے طبقات میں ابن الجزری کی "غایۃ النہایہ"، نحویوں کے طبقات میں زبیدی و سیوطی کی کتابیں، شعرا کے طبقات میں ابن سلام الجمحی کی "طبقات فحول الشعراء" جو اس صنف کی سب سے قدیم مثالوں میں ہے، اور صوفیا کے طبقات میں سلمی و ابو نعیم کی کتابیں شامل ہیں۔ اس منہج کی خوبی یہ ہے کہ ایک فن کی پوری تاریخ ایک جلد میں سامنے آ جاتی ہے؛ اس کی احتیاط یہ ہے کہ مکتبی تعصب سے مؤلف کے فیصلے متاثر ہو سکتے ہیں، اس لیے دوسرے مکاتب کی کتابوں سے موازنہ ضروری رہتا ہے۔

4۔ درجاتی و تمدنی منہج نیز جدید رجحانات

بعض طبقات نگاروں نے مرتبے و درجے کو بنیاد بنایا ہے، مثلاً راویوں کو ثقہ، صدوق، ضعیف کے درجات میں رکھنا جو جرح و تعدیل کی کتابوں کا اسلوب ہے، یا شعرا و خطبا کو ان کے فنی درجے کے مطابق پہلے و دوسرے طبقے میں تقسیم کرنا۔ بعض نے موضوع کو تمدنی رخ دیا، جیسے وزرا، قضاۃ، اطبا و حکماء کے الگ طبقات جن سے اداروں کی تاریخ بنتی ہے؛ قفطی کی ”اخبار الحکماء“ اور ابن ابی اصیبعہ اس کی مثال ہیں۔ جدید دور میں طبقات نگاری نے ڈیٹا بیس اور ڈیجیٹل صورت اختیار کر لی ہے؛ سیر اعلام النبلاء وغیرہ کے کمپیوٹرائزڈ نسخوں اور رجال کے معلوماتی نظاموں نے تحقیق کی رفتار بدل دی ہے، مگر اصول وہی پرانے ہیں: درست شناخت، زمانی مقام، اساتذہ و تلامذہ کا تعلق اور ماخذ کا حوالہ۔ جو طالب علم طبقات لکھنا چاہے اسے یہ چار چیزیں ہر ترجمے میں پوری کرنی چاہئیں اور ذاتی پسند ناپسند کو فیصلے سے الگ رکھنا چاہیے۔

جدول 1: طبقات نگاری کے مناہج اور نمائندہ کتابیں

نمائندہ کتاب	تقسیم کی بنیاد	منہج
ابن سعد: الطبقات الکبریٰ	صحابہ، تابعین، تبع تابعین کی نسلیں	زمانی / نسلی
خطیب: تاریخ بغداد	شہر و علاقے کے علماء	جغرافیائی
سبکی: طبقات الشافعیہ	ایک فن یا فقہی مکتب	فنی / مکتبی
ابن حجر: تقریب التہذیب	اعتبار و فنی مرتبہ	درجاتی
ابن ابی اصیبعہ: عیون الانباء	وزرا، قضاۃ، اطبا وغیرہ	تمدنی / ادارتی

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ طبقات نگاری شخصیات کو طبقاتی تنظیم میں بیان کرنے کا فن ہے، تاریخ اس کی بڑی عمارت ہے اور یہ اس کا بنیادی ماخذ و اندرونی ڈھانچہ۔ زمانی، جغرافیائی، فنی و مکتبی اور درجاتی مناہج نے مل کر اسلامی دنیا کا سب سے بڑا تاریخی ذخیرہ پیدا کیا جس کے بغیر نہ حدیث کی تحقیق ممکن ہے اور نہ علمی تاریخ کی ترتیب۔ اس صنف کا سب سے بڑا سبق تعلیمی ہے کہ علم ہمیشہ انسانوں کی زنجیر سے منتقل ہوتا ہے، اور جو قومیں اپنے علماء و محسنوں کے حالات محفوظ رکھتی ہے وہ اپنی شناخت بھی محفوظ رکھتی ہے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: علم ہیئت و فلکیات کی تعریف کریں اور اسلامی علوم کے تناظر میں اس کی اہمیت بیان کریں۔ (20)

تعارف

آسمان کی طرف دیکھنا انسان کی قدیم ترین علمی عادت ہے، مگر اس مشاہدے کو باقاعدہ علم بنانا ان تہذیبوں کا کام ہے جنہوں نے ستاروں و سیاروں کی حرکت کے حساب، اوزار اور رصد گاہیں بنائیں۔ اسلامی تہذیب میں اس علم کو علمِ ہیئت و فلکیات کے نام سے غیر معمولی ترقی ملی، کیونکہ مسلمانوں کی عبادات ہی اس علم سے وابستہ تھیں: نمازوں کے اوقات سورج سے، روزے و عید کا آغاز چاند سے، قبلے کی سمت جغرافیائی حساب سے اور حج و رمضان کا تعین تقویم سے جڑا ہوا تھا۔ اس جواب میں پہلے علم ہیئت و فلکیات کی تعریف اور اس کے دائرے کو واضح کیا جائے گا، پھر اسلامی علوم کے تناظر میں اس کی اہمیت کو دینی، علمی و تمدنی تینوں جہتوں سے بیان کیا جائے گا اور مسلمان ماہرین کی خدمات کا جائزہ بھی پیش کیا جائے گا۔

علمِ ہیئت و فلکیات کی تعریف

علمِ ہیئت اس علم کو کہتے ہیں جس میں اجرامِ فلکی یعنی سورج، چاند، ستاروں و سیاروں کی حرکات، ان کی باہمی دوریاں، ان کے طلوع و غروب اور کرۂ سماوی کی ساخت کا مطالعہ ریاضی و مشاہدے کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ ”فلکیات“ اسی علم کا وسیع تر نام ہے جس میں فلکی اجسام کی طبعی خصوصیات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ قدیم تقسیم میں ہیئت کا تعلق زیادہ تر آسمانی حرکات کے ہندسی ماڈل سے تھا جس کی کلاسیکی صورت بطلیموس کے نظام میں ملتی ہے، جبکہ نجوم و تنجیم یعنی ستاروں سے مستقبل کے احوال نکالنے کو اہلِ علم نے الگ رکھا اور شریعت کی روشنی میں اس کی پیش گوئیوں کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھا۔ طالب علم کے لیے یہ فرق بنیادی ہے کہ فلکیات ایک مشاہداتی و حسابی علم ہے جبکہ تنجیم قیاس آرائی ہے؛ مسلمان ماہرینِ فلکیات کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے دوسری چیز سے دامن بچا کر پہلی کو رصد و حساب کی مضبوط بنیاد دی۔ اس علم کے اوزاروں میں اسطرلاب، ربع مجیب، زیج یعنی حسابی جدول اور رصد گاہ کے بڑے آلات شامل تھے۔

اسلامی علوم کے تناظر میں اہمیت

1۔ عبادات سے براہِ راست تعلق: اوقات، قبلہ اور تقویم

اس علم کی سب سے بڑی اہمیت عبادات سے اس کے تعلق میں ہے۔ پانچ نمازوں کے اوقات سورج کی پوزیشن سے متعین ہوتے ہیں؛ فقہاء نے ظہر، عصر، مغرب، عشا و فجر کی حدود سایے و شفق جیسے فلکی مشاہدات سے بیان کیں، اور اسی لیے مساجد میں مؤقت یعنی وقت بتانے والے ماہر کا عہدہ بنا اور ابن الشاطر جیسے ماہرین نے مسجد کے لیے فلکی آلات و جدول تیار کیے۔ قبلے کی سمت کے لیے عرض و طولِ بلد کا حساب اور مثلثاتی طریقے استعمال ہوئے؛ بیرونی نے قبلے کے تعین پر باقاعدہ علمی کام کیا۔ رمضان و عید کے لیے چاند کی رویت کے ساتھ حسابی تقویم کی بحث بھی اسی علم سے جڑی ہے جس میں فقہاء و فلکیات دانوں کی آراء کا تقابلی مطالعہ نصاب کا حصہ ہے۔ حج کے ایام اور ہجری تقویم کی درستی بھی اسی علم پر موقوف ہے۔ یوں فلکیات مسلمان کے لیے محض تجسس کا علم نہیں بلکہ روزمرہ عبادت کا معاون تھا، اسی لیے فقہی کتابوں میں مواقیت و قبلے کے ابواب ہمیشہ اس علم سے مدد لیتے رہے۔

2۔ قرآن کی دعوتِ تدبر اور کائناتی مطالعہ

دوسری جہت فکری ہے۔ قرآن نے سورج و چاند کی گردش، رات دن کے اختلاف اور ستاروں کے نظام کو اللہ کی نشانیاں قرار دے کر ان میں غور کی دعوت دی ہے۔ مسلمان اہلِ علم نے اس دعوت کو علمی پروگرام میں بدلا: آسمان کا مطالعہ توحید کی دلیل بھی بنا اور علم کی عبادت بھی۔ فلسفہ و کلام میں کائنات کی حدوث و ترتیب کی بحثیں فلکی معلومات سے مدد لیتی تھیں۔ اسی تناظر میں ہیئت کو "علومِ اوائل" میں اہم مقام ملا اور مدارس کے بعض نصابوں میں حساب و ہیئت کی کتابیں شامل رہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض حلقے فلکیات کو تنجیم سے ملا کر اس سے محتاط رہے، مگر جمہور کا منہج یہی رہا کہ حسابی و مشاہداتی فلکیات نافع علم ہے اور اس سے شریعت کے اوقات و سمت کے مسائل حل ہوتے ہیں۔

3۔ مسلمان ماہرین کی علمی خدمات

تیسری جہت مسلمانوں کی تاریخی خدمات ہیں۔ فرغانی و بتانی نے فلکی جدولوں کو درست کیا؛ بتانی کے زیج کو یورپ میں مدتوں استعمال کیا گیا۔ صوفی کی "صور الکواکب" نے ثابت ستاروں کی فہرست کو بہتر بنایا۔ ابن یونس نے قاہرہ سے رصد کی روایت آگے بڑھائی۔ بیرونی نے زمین کے محیط کی پیمائش کا مشہور تجربہ و حساب پیش کیا اور ہندی و یونانی فلکیات کا تقابلی مطالعہ کیا۔ طوسی نے مراغہ کی رصد گاہ قائم کی اور بطلیموس کے ماڈل کی مشکلات پر "طوسی جوڑے" جیسا ہندسی حل پیش کیا جس پر بعد کے یورپی فلکیات میں آنے والی بحثوں سے اس کے تعلق پر آج بھی تحقیق ہوتی ہے۔ الغ بیگ نے سمرقند کی رصد گاہ سے ستاروں کا دقیق کیٹلاگ تیار کیا۔ ان خدمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ستاروں کے عربی نام اور فلکی اصطلاحات آج بھی عالمی فلکیات میں استعمال ہوتی ہیں، اور اسطرلاب جیسا اوزار بحری سفر و وقت کی پیمائش میں صدیوں کارآمد رہا۔

4۔ جغرافیہ، سفر اور روزمرہ زندگی سے ربط

چوتھی جہت عملی زندگی ہے۔ فلکیات نے جغرافیے کو عرض و طول کی درست پیمائش دی، جس سے نقشے بہتر ہوئے اور بحری و بری سفر میں سمت کا تعین آسان ہوا۔ مسلمان ملاح ستاروں سے رہنمائی لیتے تھے اور قطب نما و فلکی آلات کی ترقی میں اسی ضرورت کا حصہ تھا۔ زراعت کے موسم، دریاؤں کے طغیانی کے اندازے اور شہری اوقات کے اعلان بھی اسی علم سے جڑے تھے۔ آج کے دور میں اسی روایت کی جدید صورت سائنس و ٹیکنالوجی میں مسلمان طالب علم کی شمولیت ہے: خلائی تحقیق، سیٹلائٹ و مواصلاتی نظام اور

جدید فلکیاتی رصد سب اسی قدیم سوال کے نئے جواب ہیں کہ آسمان کیسے چلتا ہے۔ نصابی تناظر میں یہ نکتہ اہم ہے کہ علمِ ہیئت اسلامی علوم سے باہر کا علم نہیں تھا بلکہ ان کے اندر سے پیدا ہونے والی ضرورتوں نے اسے پروان چڑھایا، اور یہی تعلق آج بھی سائنس و دین کے مباحث میں درست نمونہ پیش کرتا ہے کہ دونوں کے دائرے اصولوں کے ساتھ الگ بھی ہیں اور زندگی میں جڑے ہوئے بھی۔

جدول 1: علمِ فلکیات کے عبادتی و عملی استعمالات

متعلقہ علم / عمل	فلکی بنیاد	استعمال
فقہ: کتاب المواقیت	سورج کی حرکت، سایہ، شفق	اوقاتِ نماز
عبادت، مساجد کی تعمیر	عرض و طول، مثلثات	سمتِ قبلہ
تقویم، فقہِ صوم	چاند کی گردش و رویت	رمضان و عید
جغرافیہ، ملاحی	ستاروں کی پوزیشن، قطبی ارتفاع	سفر و نقشہ سازی
انتظامیہ، زراعت	شمسی و قمری حساب، زیجات	تقویم سازی

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ علمِ ہیئت و فلکیات اجرامِ فلکی کی حرکات و نظام کا حسابی و مشاہداتی علم ہے، اور اسلامی علوم کے تناظر میں اس کی اہمیت عبادات کے اوقات و قبلے، قرآنی دعوتِ تدبر، جغرافیہ و سفر کی ضروریات اور مسلمان ماہرین کی عالمی خدمات سے واضح ہوتی ہے۔ بتانی سے بیرونی اور طوسی سے الغ بیگ تک کی یہ روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ جب علم مذہبی زندگی کی خدمت سے جڑتا ہے تو رصد گاہیں بنتی ہیں اور جب اس سے کٹ جاتا ہے تو محض کتابی بحث رہ جاتی ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: علم حدیث (درایت اور روایت) کی تعریف کریں اور محدثین کرام کے مناہج پر ایک مفصل نوٹ تحریر کریں۔ (20)

تعارف

حدیث اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے: قرآن کے احکام کی عملی صورت، نبی کریم ﷺ کی سیرت و اسوہ اور شریعت کی تفصیلات اسی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس عظیم ذخیرے کو نسل در نسل محفوظ رکھنے کے لیے مسلمانوں نے جس علم کو پروان چڑھایا اسے علمِ حدیث کہتے ہیں، اور اس کی دو بڑی شاخیں روایت و درایت ہیں۔ روایت خبر کو درست سند کے ساتھ نقل و ضبط کرنے کا نام ہے اور درایت اس خبر کے متن و معنی کو اصولوں کی روشنی میں سمجھنے و پرکھنے کا۔ اس جواب میں علمِ حدیث کی تعریف، روایت و درایت کا فرق و تعلق اور محدثین کرام کے مناہج — یعنی حدیث جمع کرنے، جانچنے اور مرتب کرنے کے ان کے طریقوں — پر مفصل نوٹ تحریر کیا جائے گا۔

علمِ حدیث کی تعریف: روایت و درایت

حدیث کی عمومی تعریف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب قول، فعل اور تقریر — یعنی آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا عمل جس پر آپ ﷺ نے سکوت و رضامندی اختیار فرمائی — کو حدیث کہتے ہیں، اور آپ ﷺ کی صفات و شمائل کا بیان بھی اس میں شامل کیا جاتا ہے۔ علمِ حدیث کی اصطلاحی تعریف دو پہلوؤں سے کی جاتی ہے۔ علمِ روایت وہ علم ہے جس میں حدیث کی نقل، اس کی سند و متن کا ضبط اور راویوں کی پہچان بیان ہوتی ہے؛ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو بات آپ ﷺ کی طرف منسوب کی جا رہی ہے وہ واقعی ثقہ روایت سے ثابت بھی ہے یا نہیں۔ علمِ درایت، جسے اصولِ حدیث یا مصطلح الحدیث بھی کہا جاتا ہے، ان قواعد کا علم ہے جن سے سند و متن کے احوال معلوم کر کے حدیث کے قبول یا رد کا فیصلہ کیا جاتا ہے؛ صحیح، حسن، ضعیف، متصل، منقطع، شاذ و معلل جیسی اصطلاحات اسی علم کی پیداوار ہیں۔ دونوں کا تعلق آنکھ و بصارت جیسا ہے: روایت مواد فراہم کرتی ہے اور درایت اسے تولتی ہے۔ محض روایت جمع کر لینا کافی نہیں، کیونکہ من گھڑت باتیں بھی روایت کی شکل میں پھیل سکتی تھیں، اور محض اصول بنا لینا بھی کافی نہیں جب تک ان کا اطلاق اصل ذخیرے پر نہ ہو۔

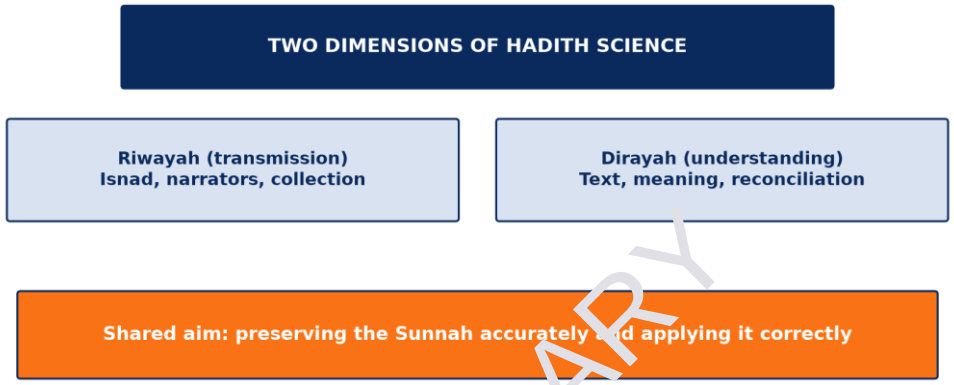

Figure 2: Riwayah and Dirayah as the two wings of Ulum al-Hadith

شکل 1: روایت و درایت — علمِ حدیث کی دو تکمیلی شاخیں اور ان کا مشترکہ مقصد

محدثین کرام کے مناہج

1۔ حفظ، کتابت اور تدوین کا منہج

محدثین کا پہلا منہج حفاظت کا تھا۔ ابتدائی دور میں حدیث سینوں میں حفظ ہونے کے ساتھ لکھنے کا سلسلہ بھی موجود تھا؛ صحابہ و تابعین کے صحیفے اس کی مثال ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں حدیث کی سرکاری تدوین کی کوشش ہوئی اور ابن شہاب زہری کو اس کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ دوسری صدی میں امام مالک کی ”الموطا“ اور پھر مسانید کا دور آیا جن میں ہر صحابی کی روایات الگ جمع کی گئیں، جیسے امام احمد کی مسند۔ تیسرے مرحلے میں صحاح و سنن کا دور آیا جن میں احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق منتخب و مرتب کیا گیا۔ تدوین کے اس سفر میں شرطِ انتخاب سخت ہوتی گئی: ہر کتاب کا اپنا منہج تھا، اس لیے کتاب کا نام دیکھ کر اس کا درجہ سمجھنا محدثین کے ہاں باقاعدہ علم ہے۔

2۔سند وجرح وتعدیل کا منہج

دوسرا اور سب سے منفرد منہج سند کی تحقیق ہے۔ مسلمانوں سے پہلے کسی امت نے اپنے دینی ماخذ کی خبر بہ خبر زنجیر اس پیمانے پر محفوظ نہیں کی تھی۔ محدثین نے ہر راوی کی پیدائش ووفات، اساتذہ وشاگرد، سفر وملاقات اور اس کے حافظے ودیانت کی فائلیں تیار کیں جنہیں اسماء الرجال وجرح وتعدیل کی کتابیں کہتے ہیں۔ یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، بخاری، ابو حاتم وابوزرعہ رازی اور بعد میں ذہبی وابن حجر نے اس فن کو اس مقام تک پہنچایا کہ کسی راوی کے بارے میں صدیوں بعد بھی محقق اس کی ثقاہت کا فیصلہ شواہد سے کر سکتا ہے۔ اس منہج کا اصول یہ تھا کہ دین کی بات میں شخصیت کی محبت بھی معیار نہیں بن سکتی، اپنے استاد وہم مکتب راوی پر بھی وہی تنقید ہوتی جو دوسروں پر ہوتی، اور یہی علمی بے لاگی اس نظام کی ساکھ ہے۔

3۔ امام بخاری ومسلم اور ائمہ سنن کے انتخابی مناہج

تیسرا منہج کتبِ حدیث کے مقاصد وشرائط کا ہے۔ امام بخاری نے اپنی "الجامع الصحیح" میں صحت کی سخت ترین شرائط لگائیں — راویوں کا عادل وضابط ہونا، سند کا متصل ہونا اور شذوذ وعلت سے خالی ہونا — اور ابواب کے عنوانات میں فقہی ذوق بھی جھلکایا، اسی لیے ان کی کتاب کو امت میں سب سے زیادہ قبولیت ملی۔ امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں روایات کی ترتیب وہم معنی طرق کو جمع کرنے میں کمال دکھایا اور مقدمے میں روایت کے اصول بھی بیان کیے۔ ابو داؤد نے سنن میں فقہی احادیث کو جمع کر کے ہر باب میں ضعیف حدیث کی طرف اشارہ کرنے کا منہج اپنایا؛ ترمذی نے ہر حدیث کے درجے — صحیح، حسن، غریب — کی صراحت کی اور فقہاء کے عمل کا ذکر بھی شامل کیا؛ نسائی نے علل و سند کی باریکیوں پر خاص توجہ دی اور ابن ماجہ نے سنن کی تکمیل میں زوائد کا اضافہ کیا۔ ان مختلف مناہج کا فائدہ یہ ہوا کہ حدیث کا ذخیرہ کئی زاویوں سے محفوظ ومرتب ہو گیا اور بعد کے محققین کو تقابل کا مواد مل گیا۔

4۔شرح،اختصار اور جدید تحقیق کا تسلسل

چوتھا منہج حفاظت کے بعد فہم و خدمت کا ہے۔ خطابی، نووی، ابن حجر اور عینی جیسے شارحین نے صحاح کی شروح لکھ کر متن کے مشکل الفاظ، فقہی مسائل اور راویوں کے تعارف کو کھولا؛ ابن حجر کی "فتح الباری" اس روایت کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ متاخرین نے اطراف، تخریج و معاجم کے ذریعے حدیث تک رسائی آسان کی۔ جدید دور میں حدیث کے کمپیوٹرائزڈ موسوعات اور تخریج کے سافٹ ویئر اسی منہج کی نئی صورتیں ہیں، مگر اصول وہی ہیں جو محدثین نے دیے تھے: سند دیکھو، راوی پرکھو، متن کو قرآن و اصول سے ملا کر سمجھو اور درجے کی صراحت کرو۔ یہاں ایک علمی نوٹ ضروری ہے کہ درایت کا منہج صرف مدرسہ تک محدود نہیں رہا؛ متن کی نقد میں حدیث کو قرآن، ثابت سنت اور تاریخی شواہد سے مطابقت دیکھنے کی بحث بھی اہلِ علم میں موجود رہی ہے، جس کی حدود و شرائط میں ماہرین کے درمیان علمی اختلاف ہے جسے طالب علم کو ادب و توازن کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

جدول 1: کتبِ ستہ کے ائمہ اور ان کے نمایاں مناہج

کتاب	مصنف	نمایاں منہج
صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	صحت کی سخت شرائط، فقہی تراجم الابواب
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج	ہم معنی طرق کی ترتیب، مقدمے میں اصول
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سجستانی	فقہی احادیث کا انتخاب و اشارۂ درجہ
جامع ترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	ہر حدیث کے درجے و عملِ فقہاء کا بیان
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی	علل و اسانید کی باریک بینی
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	سنن کی تکمیل، زوائد کی جمع

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ علمِ حدیث میں روایت خبر کو سند کے ساتھ محفوظ کرنا اور درایت اسے اصولوں پر پرکھ کر اس کا درجہ متعین کرنا ہے، اور محدثین کے مناہج —تدوین، جرح و تعدیل، شرائطِ انتخاب اور شروح —نے مل کر انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ جانچا ہوا دینی ذخیرہ تیار کیا۔ اس نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں کسی بات کو صرف اس لیے قبول نہیں کیا جاتا کہ وہ مشہور ہے بلکہ اس لیے کہ اس کا ثبوت موجود ہے۔ آج کے طالب علم کے لیے اس منہج کا پیغام علمِ حدیث سے آگے بھی ہے کہ ہر خبر، چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی، دلیل مانگتی ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: اسلامی فلسفہ سے کیا مراد ہے؟ فارابی اور ابن سینا جیسے مسلمان فلاسفہ کے اہم فکری کارناموں پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

فلسفہ انسان کے بنیادی سوالات —وجود کیا ہے، علم کیسے حاصل ہوتا ہے، خدا اور کائنات کا تعلق کیا ہے، انسان کا مقصد کیا ہے —کا عقلی مطالعہ ہے۔ جب یہ سوالات اسلامی تہذیب کے اندر، یونانی فلسفے کے ورثے کو قرآن و سنت کی روشنی کے ساتھ ملا کر، زیرِ بحث آئے تو اس علمی روایت کو اسلامی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ اس روایت کے دو سب سے بڑے نام ابو نصر فارابی اور ابو علی ابن سینا ہیں جن کے افکار نے نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی فکر پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ اس جواب میں اسلامی فلسفے کا مفہوم و پس منظر بیان کر کے فارابی و ابن سینا کے اہم فکری کارنامے تفصیل سے پیش کیے جائیں گے۔ یہ بیان خالصتاً علمی و تاریخی ہے؛ فلسفیانہ مسائل میں اہلِ علم و اہلِ کلام کے درمیان جو تاریخی اختلافات رہے ہیں ان کا ذکر بھی توازن کے ساتھ کیا جائے گا۔

اسلامی فلسفہ سے مراد

اسلامی فلسفے سے مراد مسلمان مفکرین کی وہ عقلی کاوشیں ہیں جن میں ہستی، معرفت، اخلاق اور معاشرت کے مسائل کو منطق و برہان سے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کا آغاز آٹھویں و نویں صدی عیسوی میں بغداد کی ترجمہ تحریک سے ہوا جب ارسطو، افلاطون اور ان کے شارحین کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔ کندی کو پہلا مسلمان فلسفی کہا جاتا ہے جنہوں نے فلسفے کو اسلامی ماحول میں جگہ دینے اور یونانی اصطلاحات کو عربی قالب دینے کا کام شروع کیا۔ اسلامی فلسفے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے فلاسفہ فلسفے کو دین کا متصادم نہیں بلکہ اسی سچائی تک پہنچنے کا دوسرا راستہ قرار دیتے تھے، اگرچہ اس دعوے کی تفصیلات پر متکلمین نے تنقید بھی کی۔ غزالی نے فلاسفہ کے بیس مسائل پر تنقید کر کے تین مسائل کو خاص طور پر سخت قرار دیا، اور ابن رشد نے اس کا جواب دیا؛ اس پورے مکالمے نے اسلامی فکر کو گہرائی عطا کی۔ اسلامی فلسفے کے بڑے موضوعات میں واجب و ممکن کا فرق، نفس و عقل کے مراتب، نبوت کی فلسفیانہ توضیح، مدینہ فاضلہ کا سیاسی تصور اور اخلاق کی عقلی بنیادیں شامل ہیں۔ مشائی روایت ارسطو کی پیرو تھی جس کے نمائندے فارابی و ابن سینا ہیں، جبکہ اشراقی روایت سہروردی سے اور عرفانی فلسفیانہ رنگ ابن عربی کی تحریروں سے وابستہ ہے؛ اس سوال کہ مرکزی مشائی روایت کے یہی دو امام ہیں۔

ابو نصر فارابی کے فکری کارنامے

معلمِ ثانی اور منطق و فلسفے کی تنظیم

ابو نصر محمد بن محمد فارابی (259ھ تا 339ھ تقریباً، 874ء تا 950ء) وسط ایشیا کے شہر فاراب سے تعلق رکھتے تھے اور بغداد و دمشق میں علمی زندگی گزاری۔ انہیں ارسطو کے بعد ”معلمِ ثانی“ کا لقب ملا، کیونکہ انہوں نے ارسطو کی منطق و فلسفے کو شرح و ترتیب دے کر عربی دنیا کے لیے قابلِ فہم بنایا۔ انہوں نے علوم کی درجہ بندی پر ”احصاء العلوم“ لکھی جس میں زبان، منطق، ریاضی، طبیعیات، الٰہیات، فقہ و کلام کی ترتیب بیان کی، اور یہ کتاب بعد میں لاطینی دنیا میں بھی اثر انداز ہوئی۔ منطق میں ان کی خدمات اس لیے بنیادی ہیں کہ انہوں نے برہان، جدل و خطابت کے فرق کو اسلامی علمی ماحول میں مستحکم کیا جس سے کلام و اصولِ فقہ نے بھی فائدہ اٹھایا۔

نظریہ صدور، عقول اور نبوت کی توضیح

فارابی کا دوسرا بڑا کارنامہ مابعد الطبیعیات میں ہے۔ انہوں نے وجود کو واجب الوجود اور ممکن الوجود میں تقسیم کیا اور کائنات کی تخلیق و ترتیب کو عقول و افلاک کے سلسلے سے سمجھانے کی کوشش کی جسے صدور کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس نظریے پر اہلِ کلام نے تنقید کی، مگر اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس نے خدا کی وحدت و تنزیہ کو برقرار رکھتے ہوئے کثرتِ عالم کی عقلی صورت پیش کی۔ فارابی نے عقلِ فعال کے تصور سے وحی و نبوت کی فلسفیانہ توضیح بھی کی: نبی کی قوتِ متخیلہ عقلِ فعال سے جڑ کر معانی کو تمثیل و خطاب کی صورت دیتی ہے۔ یہ توضیح ایمانی عقیدے کا بدل نہیں تھی بلکہ اس دور کی فلسفیانہ زبان میں نبوت کو قابلِ فہم بنانے کی کوشش تھی، جسے بعد میں کئی مفکرین نے قبول بھی کیا اور کئی نے اس پر نقد بھی۔

آراء اہل المدینۃ الفاضلہ: سیاسی فلسفہ

فارابی کا تیسرا اور شاید سب سے مشہور کارنامہ سیاسی فلسفہ ہے۔ ان کی کتاب ”آراء اہل المدینۃ الفاضلہ“ میں مثالی ریاست کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کا سربراہ نبی و فلسفی کی صفات کا جامع ہو، جس کے شہری اپنے اپنے درجے میں اجتماعی خیر کے لیے کام کریں اور جس کا مقصد دنیوی انتظام کے ساتھ انسانی سعادت ہو۔ اسی میں انہوں نے جاہلہ، فاسقہ و ضالہ مدائن یعنی بگڑی ہوئی ریاستوں کی قسمیں بھی بیان کیں۔ فارابی کی سیاست کی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے افلاطون کی جمہوریہ کی روایت کو اسلامی ریاست کے تصور سے جوڑ کر مسلمان دنیا کو سیاسی فلسفے کی پہلی منظم کتاب دی۔ موسیقی پر ان کی ”کتاب الموسیقی الکبیر“ بھی اس دور کی اہم علمی کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو ان کی جامعیت کو ظاہر کرتی ہے۔

ابن سینا کے فکری کارنامے

الشفاء، النجاۃ اور فلسفے کا نظام

ابو علی حسین بن عبد اللہ ابن سینا (370ھ تا 428ھ / 980ء تا 1037ء) بخارا سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں "الشیخ الرئیس" کہا جاتا ہے۔ ان کا فلسفیانہ نظام ان کی ضخیم کتاب "الشفا" میں موجود ہے جس میں منطق، طبیعیات، ریاضی اور الٰہیات پر مکمل بحث ہے؛ اس کا اختصار "النجاۃ" اور فارسی میں "دانش نامۂ علائی" ہے۔ ابن سینا نے فارابی کے کام کو وسعت و گہرائی دی۔ وجود کی بحث میں انہوں نے ماہیت و وجود کا فرق واضح کیا اور واجب الوجود کی برہان کو اس صورت میں پیش کیا کہ خدا کے وجود کا ثبوت اس کے اپنے واجب ہونے سے نکلتا ہے، کائنات کے مشاہدے کے بغیر بھی عقلی استدلال ممکن ہے۔ یہ برہان بعد میں اسلامی و یورپی دونوں فکر میں زیرِ بحث رہی۔ نفس کے بارے میں ان کا مشہور "اڑتا ہوا انسان" کا فرضی تجربہ نفس کے جسم سے الگ شعور کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے جدید فلسفے میں بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔

طب: القانون فی الطب اور علمی طریقہ

ابن سینا کا نام صرف فلسفے میں نہیں بلکہ طب میں بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ ان کی "القانون فی الطب" طب کی تاریخ کی بااثر ترین کتابوں میں ہے جو لاطینی ترجمے کے ذریعے یورپ کی جامعات میں طویل عرصے تک نصاب میں رہی۔ اس میں طب کے اصول، امراض کی تشخیص، ادویات اور حفظانِ صحت کو منظم انداز میں جمع کیا گیا۔ ابن سینا نے دواؤں کے تجربے کے لیے بھی اصول بیان کیے جنہیں جدید طبی تجربے کے اصولوں کا پیش رو کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ پہلو اس لیے اہم ہے کہ اسلامی فلسفہ محض کتابی بحث نہیں تھا؛ اس کے نمائندے طبیب، ریاضی دان اور انتظامی مشیر بھی ہوتے تھے اور علم ان کے ہاں زندگی سے جڑا ہوا تھا۔ منطق میں ان کی "الاشارات والتنبیہات" پر طوسی کی شرح نے اسے متاخرین کے درسی متن کا درجہ دیا، اور ان کے اور غزالی و رازی کے درمیان فکری مکالمہ صدیوں تک اسلامی فکر کو مہمیز دیتا رہا۔

دونوں کے اثرات اور تنقیدی توازن

فارابی و ابن سینا کے اثرات تین دائروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ پہلا دائرہ اسلامی فکر کا ہے جہاں ان کے تصورات نے کلام، تصوف اور بعد کے حکمت کے مکاتب —اشراق و حکمتِ متعالیہ —کو مواد فراہم کیا؛ ملا صدرا کے نظام میں دونوں کے نقوش واضح ہیں۔ دوسرا دائرہ یہودی و عیسائی قرونِ وسطیٰ کی فکر ہے جہاں ابن سینا کی لاطینی صورت "ivA cenna" اور فارابی کی "suibarahplA" کے نام سے بڑی تعداد میں پڑھی گئیں اور میمونیڈس و ایکوناس جیسے مفکرین نے ان سے بحث کی۔ تیسرا دائرہ جدید تحقیق ہے جہاں ان کے منطق، نفسیات و طب پر کام کو تاریخِ سائنس و فلسفے میں بنیادی مقام حاصل ہے۔ تنقیدی توازن کے لیے یہ بھی یاد رہے کہ غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" میں عالم کے قدیم ہونے، خدا کے جزئیات کے علم اور جسمانی حشر جیسے مسائل میں فلاسفہ کے مواقف پر سخت تنقید کی، جبکہ ابن رشد نے فلاسفہ کا دفاع کیا۔ اس تنقید و دفاع نے اسلامی فکر کو یہ سبق دیا کہ عقل کا استعمال ضروری ہے مگر اس کے دعوے بھی جانچ کے محتاج ہیں۔

جدول 1: فارابی و ابن سینا—نمایاں کتب اور فکری کارنامے

فلسفی	نمایاں کتاب	اہم کارنامہ
فارابی	آراء اہل المدینۃ الفاضلہ	سیاسی فلسفہ، مدینۂ فاضلہ کا تصور
فارابی	احصاء العلوم	علوم کی درجہ بندی
ابن سینا	الشفا / الاشارات	واجب و ممکن، ماہیت و وجود کی بحث
ابن سینا	القانون فی الطب	طب کی جامع تدوین، عالمی اثرات

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی فلسفہ یونانی ورثے کی اسلامی ذہن سے عقلی تعبیر و تنقید کا نام ہے، فارابی نے اسے منطق، مابعد الطبیعیات اور مدینۂ فاضلہ کے سیاسی تصور سے منظم کیا اور ابن سینا نے وجود و نفس کی بحثوں اور طب کے عظیم کارنامے سے اسے کمال دیا۔ ان دونوں کے بغیر نہ اسلامی فکر کی تاریخ مکمل ہوتی ہے اور نہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی۔ ان کے افکار کو پڑھنے کا درست طریقہ یہی ہے کہ انہیں ان کے تاریخی سوالات کی روشنی میں سمجھا جائے، ان کی خدمات کا انصاف سے اعتراف کیا جائے اور ان مسائل میں جہاں اہلِ علم کا اختلاف ہے وہاں فیصلہ اہلِ علم پر چھوڑ کر علمی ادب کو ملحوظ رکھا جائے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com